ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
**Volume 2, 2021(Issue III, July to September)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

**وقاص فریاد**

پی ایچ۔ڈی (اردو) اسکالر قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور

**مقصود احمد**

لیکچرار، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف بونیر (کے پی کے)

**ڈاکٹر تحسین بی بی**

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور

# رشید امجد کے افسانوں میں بیانیہ فن

**Waqas Faryad**
Ph.D. Scholar (Urdu), Qurtuba University of Science and Information Technology Peshawar.
**Maqsood Ahmad**
Lecturer University of Buner KPK.
**Dr. Tahseen Bibi**
Associate Professor (Urdu), Qurtuba University of Science and Information Technology Peshawar.

## Narrative Art in Rasheed Amjad's Fictions

Rasheed Amjad is one of the most authority's names in the world of Urdu literature in terms of fiction, which has enriched Urdu Fiction with its masterpieces. He is considered one of the most prominent fiction writers of modern time. He known for his fictional style, allegorical narrative, mythology, deep attachment of the land, Pakistani mythology, Islamic elements, retrieval of the past, beautiful expression of symbols and a beautiful combination of modernity. Rasheed Amjad has used various narrative experiments in his fictions and has created successful fictions in Pakistani Urdu fiction. Each of his fictional narration seems to be a new experiment. Rasheed Amjed's fiction has simple narratives in terms of style. His fictions explore new topics and talk about newness. They use a unique narrative style in their fiction and have a special individuality. A special kind of poetry, a sense of romance, the formation of narrative with the help of metaphors, symbolic expression and deviation from

direct prose expression are the hallmarks of his style. These are just some of the goal setting shareware that you can use. In this fiction, he deviates from the direct prose narrative, uses metaphors to form the narrative, and adopts symbolic expression.

**Keywords:** *Urdu Fictions, Literature, Narrative, Symbolism, Narratology, Structuralism, Nature, Culture.*

اردو ادب میں بیانیہ کے بغیر کوئی بھی افسانہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ اردو افسانوی ادب میں بیانیہ سے مراد واقعہ، قصہ، داستان اور کہانی وغیرہ کو افسانوی ادب کے پیرائے میں بیان کرنا ہوتا ہے۔

رشید امجد کی پیدائش ۹ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو پاکستان میں ہوئی۔ ان کا پہلا افسانہ " سنگم " ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ رشید امجد اردو افسانہ نگاروں میں ایک انفرادی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے روایتی افسانے لکھ کر اپنے افسانوی سفر کا آغاز کیا اور آگے چل کر بیانیہ اسلوب اور تکنیک میں نئے تجربے کئے۔

رشید امجد کے افسانہ "سمندر مجھے بلاتا ہے " کا راوی ہمہ موجود ہے۔ رشید امجد اس ہمہ موجود راوی سے کس طرح کام لیتے ہیں اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

> "مرشد نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔۔۔۔"اے خدا مجھے احدیت کے سمندر کی گہرائیوں میں داخل کر"،
>
> اس نے تاسف سے سر ہلایا۔۔"لیکن میں تو ابھی دنیا کے سمندر میں بھی نہیں اتر سکا۔"
>
> مرشد مسکرایا۔۔۔"دنیا بھی تو وہی ہے۔"
>
> اس نے پوچھا۔۔۔"اگر دنیا بھی وہی ہے تو میں الگ کیوں ہوں؟"
>
> مرشد پھر مسکرایا۔۔۔"تم الگ کہاں ہو ، سمندر تمہارے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔[۱]

مرشد کی آمد کے ساتھ ہی رشید امجد کے یہاں زندگی و کائنات پر غور و فکر کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ مرشد کے کردار اور تصوف کے بعض حوالوں کی مدد سے مصنف کو اپنی بات کہنی تھی اس لیے اس نے ہمہ جہت راوی کا انتخاب کیا ہے۔ اس ہمہ جہت راوی کے انتخاب نے زمانہ حال کو زمانہ ماضی سے ملانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ افسانہ نگار نے پورے افسانے کے بیانیہ کو مکالموں

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
**Volume 2, 2021(Issue III, July to September)**

اور ہمہ موجود راوی کے بیانات کی مدد سے مکمل کیا ہے۔ انہوں نے زمانہ ماضی کو موجودہ حال سے ملانے کے لیے بیانیہ میں وقت کے تصور کو توڑا ہے اور صیغہ ماضی اور صیغہ مستقبل دونوں سے کام لیا ہے۔

افسانہ "لمحہ جو صدیاں ہوا" میں واحد حاضر راوی کی مدد سے کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس افسانے کا آغاز صیغہ حال سے ہوتا ہے۔ لیکن کچھ آگے بڑھ کر افسانہ صیغہ ماضی میں چلا جاتا ہے۔ مرشد سے سوال و جواب کے ساتھ افسانہ آگے بڑھتا ہے درمیان میں خیالات کی فکر کی مزید لہروں کو بھی اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> " یہ مزار بڑی سڑک سے مڑتے ہوتے ہی تالاب کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر ہے۔ اس کی ٹوٹی منڈیر سے میں نے کتنے ہی موسموں کے پرندوں کو تالاب کے کنارے دھندلاتے اور روشن ہوتے دیکھا ہے۔ کبھی کبھی جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو چیزیں دھندلی دھندلی دکھائی دیتی ہیں۔ دور خاک کے بادلوں کو چیرتا ایک خرقہ پوش شہر کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔
> میری خاک اب اس شہر کی مٹی میں پیوست ہوگی،
> صدیوں کی دھول قبروں کے نشان مٹاتی چلی جاتی ہے ،
> اپنی ہی قبر پر پاؤں رکھتا ایک نوجوان تیزی سے گزر جاتا ہے ،
> میرا خمیر اسی شہر کی مٹی سے اٹھا ہے ،
> شہر کی فصیل سے آخری تیر چلاتے ہوئے اس کا زخمی جسم آدھا لٹک جاتا ہے
> (۲)۔

افسانے کا عنوان "لمحہ جو صدیاں ہوا" اسی مناسبت سے افسانہ حال سے ماضی کی طرف بڑھتا ہوا صیغہ ماضی پر ختم ہوتا ہے۔ رشید امجد نے مختلف مناظر کی پیشکش میں خارجی عناصر اور تخیل دونوں سے کام لیا ہے۔ بعض اوقات ان کے یہاں حقیقت پر خیال اور جذبہ غالب ہو جاتا ہے اور اس نوع کے جملے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

"دھند اب اتنی گہری ہو چلی تھی کہ ہم سب سایوں میں بدل گئے تھے۔ ہمارے
اپنے قدموں کی چاپ اور پیچھے آنے والی سسکیاں خاموشی کا سینہ چیر رہی تھیں۔
وہ کبھی دوڑنے لگتی ہے اور کبھی رک جاتی ہے۔[۳]

رشید امجد نے بعض مخصوص الفاظ اور علامتوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً قبر، رات، تاریکی، دھند وغیرہ ان کے مخصوص الفاظ ہیں۔ جن سے وہ طرح طرح سے کام لیتے ہیں۔ جانوروں اور پرندو ں کا ذکر بھی ان کے یہاں بار بار ملتا ہے۔ رشید امجد کا بیانیہ اسلوب ان کے فن کا ایک ناگزیر حصہ ہے اور اس میں ان کے فن کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے افسانے میں کیفیات ، خیالات و تصورات کی تشکیل کے لیے جو زبان استعمال کی وہ شعری وسائل سے بھرپوراور تجریدی فکر کے محسوس تجربے سے مزین ہے۔

انہوں نے اپنے افسانوں میں نت نئے تجربات کئے۔ تخیلات کا سہارا لیا اور اپنے افسانوں میں شاعرانہ رنگ بھرنے کی بھی شعوری کوشش کی۔ اس ضمن میں ان کا افسانہ "بند ہوتی آنکھوں میں ڈوبتے سورج کا عکس "کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"سمندروں سے بھی گہرا اندھیرا اور موجیں مارتی سردی،
رات بچے کی طرح تیزی سے اندھیرے کو دھنک رہی ہے ،
اندھیرے کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔[۴]

اس طرح وہ خیالات اور تخیلات کے اتصال سے علامتی زبان پیدا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں انہوں نے اسلوب کو نثر کے ذریعے شاعری سے قریب تر کر دیا ہے جس کی مثالیں ان کے دیگر افسانوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ افسانہ "بے لفظوں کا پل صراط" میں انہوں نے آزاد تلازمہ خیال کی تکنیک سے کام لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے افسانوں میں مکالمہ کی تکنیک کو بھی استعمال کیا ہے جس سے اسلوب بیانیہ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ رشید امجد علامت نگاری کے باوجود سیدھے سادے بیانیہ انداز میں کہانی کو بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ان کے افسانے "ست رنگے پرندے کے تعاقب میں "، "وقت اندھا نہیں ہوتا"، "جاگتی آنکھوں کا خواب"، اور "گمشدہ آواز کی دستک "، مکالمہ اور بیانیہ انداز میں لکھے گئے کامیاب افسانے ہیں۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
**Volume 2, 2021(Issue III, July to September)**

ڈاکٹر ناہید قمر لکھتی ہیں :

> "رشید امجد کے افسانوں میں وقت کے روایتی تصور کو گریز کرتے ہوئے زمانی تحرک کو بھی تجربے کا حصہ بنایا گیا ہے۔ جہاں کردار بہ یک وقت دو سطحوں پر متحرک نظر آتے ہیں ، جن میں ایک زمانہ حال ہے اور اس سے متوازی زمان کی ایک اور لہر بھی ساتھ چلتی نظر آتی ہے ۔ رشید امجد کا افسانہ "سمندر قطرہ سمندر" اس رویے کی عمدہ مثال ہے جس میں کردار بس میں سفر کرنے کے ساتھ ساتھ صدیوں پہلے کے ایک سفر کی بازیافت کرتے ہیں ۔ اور دونوں سفر ایک دوسرے میں پیوست ہو کر اپنی اپنی معنویت واضح کرتے ہیں۔(۵)

ان کے افسانوں میں کردار کی شخصیت اور نفسی کیفیات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ ان کے یہاں دیہاتی اور شہری دونوں طرح کے کردار نظر آتے ہیں۔ کردار نگاری کے لیے حسب ضرورت فنی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ کبھی وہ بیان کے ذریعے کرداروں کے نقوش واضح کرتے ہیں اس کے لیے وہ کرداروں کی ظاہری شکل و صورت ، اعمال اور ذہنی کیفیات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کبھی وہ مکالموں کے ذریعے اپنے کرداروں کی تشکیل کو عیاں کرتے ہیں۔

ان کا افسانہ "ٹوٹے پر،لمحہ لمحہ ،زرد کبوتر "ان کے ابتدائی افسانوں میں سے ایک ہے۔ ان کے اس دور کے افسانوں میں ایک خاص قسم کی بیزاری اور شخصی ٹوٹ پھوٹ نظر آتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> " صبح آنکھ کھلتے ہی میں اپنے آپ کو بہت سے گالیاں نکالتا ہوں ، بستر سے نکلتے ہی مجھ پر غبار چھا جاتا ہے اور اسی کہر میں لپٹا اپنے آپ کو کوستا دفتر کی تیاری کرتا ہوں۔
>
> گھر سے نکلتے ہی میں خود کو بھاگتے ہوئے اسی ہجوم میں پاتا ہوں جو ایک دوسرے کو نیچے گراتے ہوئے ایک ہی سمت میں بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے گرتے ہیں اور فوراً ہی اٹھ کر پھر بھاگنے لگتے ہیں ۔ہم سب ایک ہی رفتا سے ایک ہی سمت دوڑ رہے ہیں۔ بس اسٹاپ پر بھی ہجوم

ہے ،ہر کوئی بے چینی سے موڑ کی طرف دیکھ رہا ہے۔خدا خدا کرکے بس موڑ کی گلی سے نمودار ہوتی ہے۔یہ بس بھی ہماری طرح دوڑ دوڑ کر تھک چکی ہے مگر پھر بھی دوڑے جا رہی ہے۔(۶)

اس افسانے کا کردار بھی اس ٹوٹ پھوٹ اور بیزاری کا شکار ہے۔افسانے کا راوی، واحد متکلم ہے۔بیزاری ، جھلاہٹ اور شکستگی کے اظہار کے لیے صیغہ حاضر کا انتخاب کیا گیا ہے۔بیانیہ میں ایک خاص قسم کی دوڑتی بھاگتی زندگی نظر آتی ہے۔بیانیہ سست رفتاری سے آگے بڑھنے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھتا ہے ، راوی اپنی کیفیت کے اظہار کے لیے اسی کے طرح کے جملے منتخب کرتا ہے۔

افسانہ"یاہو کی نئی تعبیر "میں رشید امجد نے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ صدیوں کی مسافت اور باکردار معاشرے کی تشکیل کے تمام تر دعوں کے باوجود آج بھی انسان اپنی پرانی وحشی فطرت اور شر کی قوتوں سے نجات حاصل نہیں کرپایا ہے۔

"یا ہو"۔اس نے نعرہ مار کر سامنے پڑے ہوئے شخص پر جست لگائی اور اسے پنجوں میں دبوچ کر اس نرخرے میں دانت گاڑ دیے۔تڑپنے والے نے خرخر کرتے ہوئے نرم زمینوں کومٹھیوں کی ڈھلوانوں پر روکنے کی کوشش کی۔لیکن زندگی نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور گرم نمکین خون کا ذائقہ اس کے دشمن کے لبوں پر تسکین دینے لگا۔(۷)

اس افسانے میں انسانی تہذیب کے مختلف روداد کی بازیافت میں احوال کی خاصی اہمیت ہے۔انہوں نے ایک مخصوص فضا کی تشکیل کے لیے مخصوص زبان اور انداز بیان اختیار کیا ہے۔یہاں انسانی تہذیب کے مختلف ادوار کی تبدیلیوں کو بیانیہ کی تبدیلی سے ظاہر کیا گیا ہے۔

## حوالاجات


۱. قرۃ العین طاہرہ،ست رنگے پرندے کے تعاقب میں،راولپنڈی،حرف اکادمی،۲۰۰۲ء،ص۳۵

۲. رشید امجد،بھاگے کے بیاباں مجھ سے،مقبول اکیڈمی لاہور،۱۹۸۸ء،ص۳۹

۳. رشید امجد،بھاگے کے بیاباں مجھ سے،مقبول اکیڈمی لاہور،۱۹۸۸ء،ص۲۳

۴. رشید امجد، پت جھڑ میں خود کلامی، اثبات پبلی کیشنز راولپنڈی، ۱۹۸۴ء، ص ۴۳
۵. ناہید قمر، ڈاکٹر، جدید ادب، جرمنی، شمارہ ۸، جنوری تا جون ۲۰۰۷ء، ص ۳۱
۶. رشید امجد، بیزار آدم کے بیٹے، دستاویز پبلشرز راولپنڈی، ۱۹۷۴ء، ص ۱۰۵
۷. رشید امجد، ریت پر گرفت، ندیم پبلی کیشنز راولپنڈی، ۱۹۷۸ء، ص ۶۴